سلسلہ مطبوعات (۳۵)

عدم تشدد کی حکمت عملی

(اسوۂ حسنہ کا ایک مطالعہ)

مفتی سعید الرحمٰن

باسمہ تعالیٰ

حرف اول

آج دنیا ایک نئے دور میں داخل ہو رہی ہے۔ سرد جنگ کا دور اپنے انجام کو پہنچا، جس کے نتیجے میں دنیا میں قائم بلاکوں میں شکست و ریخت کا عمل جاری ہے۔ ان حالات میں اسلام کے حوالہ سے یہ پروپیگنڈہ شدت سے منظر عام پر آیا کہ یہ دین اپنے پیرو کاروں میں جنونیت اور تشدد کی ذہنیت کی آبیاری کرتا ہے اور اس سلسلے میں بطور ثبوت بعض "اسلامی" تحریکات کا طرز عمل بھی پیش کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اسلام اپنے نام کی طرح اپنی تعلیمات میں بھی امن اور عدم تشدد کو بنیادی اہمیت دیتا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کی جو عملی تعبیر پیش کی، اس میں بھی آپ قیام امن کی جدوجہد کو بڑے نامساعد حالات میں جاری رکھتے ہوئے نظر آتے ہیں، بلکہ آپ کے اسوۂ حسنہ کا یہ ایک نادر المثال واقعہ ہے کہ آپ نے قیام امن کی خاطر اپنے ایک مخلص ساتھی کی قید کو بھی گوارا کرلیا جبکہ وہ مظلومیت کی منہ بولتی تصویر بن کر انسانی جذبات میں بجاطور پر اضطراب کا باعث بھی بن رہا تھا۔

ایسے میں کور چشم اور بصیرت سے محروم عناصر ہی اسلام کو شدت پسند مذہب قرار دے سکتے ہیں۔ حقائق پر نظر رکھنے والے اہل بصیرت جانتے ہیں کہ دنیا میں قیام امن غلبۂ اسلام کے بغیر محض ایک سہانا خواب ہے جس کی تعبیر عملی دنیا میں بھیانک ہے آئیے دنیا میں امن اور بھائی چارہ کی فضا قائم کرنے کیلئے اسوۂ حسنہ کو اختیار کرنے کی راہ اپنائیں۔

چیئرمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دنیا باوجود ترقی وارتقاء کی منازل طے کرنے کے ابھی تک اس مسئلے کو حل نہیں کرپائی ہے کہ وہ پرامن بقائے باہمی کا معاشرہ اور ماحول کس طرح ترتیب دے، بلکہ استعماری نظام کے عالمی غلبہ کے باعث عصر حاضر کی سائنسی ترقی کا ایک منفی پہلو یہ ہے کہ دنیا کی متمدن اقوام ایک دوسرے سے خطرات محسوس کرکے اس انداز کا اسلحہ ایجاد کرچکی ہیں جن کا معمولی استعمال بھی کائنات سے روح حیات کا خاتمہ کرسکتا ہے اور اپنے ایجاد کردہ اسلحہ کی اس وسیع ہلاکت خیزی کے تصور سے یہ اقوام بھی کبھی کبھی کانپ کانپ جاتی ہیں اور پھر اس کے سدباب کے لیے سیمینارز، کانفرنسوں، باہمی ملاقاتوں اور معاہدوں کا سلسلہ بھی چل نکلتا ہے لیکن اس کے باوجود کیفیت یہ ہے کہ ہر وقت اسلحہ کا عفریت ان کے دل ودماغ کو پریشان اور سراسیمہ کئے رکھتا ہے۔

ستم ظریفی تو یہ ہے کہ یہ مہذب اور ترقی یافتہ اقوام دین ومذہب کو پہلے ہی اپنی معاشرتی لغت سے خارج کرچکی ہیں، اب ان کے علاقوں میں ان کے اپنے گروہی خیالات وخواہشات کی حکمرانی ہے۔ جن کی کوئی منزل نہیں اور جن کا مستقبل موہوم امیدوں کے دھند لکے میں لپٹا ہوا ہے، جبکہ ان کی مزعومہ روشن خیالی کا باب اس کے بغیر بھی نامکمل رہتا ہے کہ وہ دین ومذہب اور بالخصوص دین فطرت یعنی اسلام کو اپنے بیجا اعتراضات کے زد میں لیتے رہیں حالانکہ یہ ایک غیر متعصب حقیقت ہے کہ اس وقت دنیائے انسانیت میں منصفانہ امن اسی صورت میں پائیدار بنیادوں پر قائم ہوسکتا ہے جب اصول فطرت کی پاسداری کی جائے اور اسلام مسلمہ طور پر دیگر تمام ادیان کے مقابلے میں ان اصول فطرت کا بہترین نقیب ہے۔

اجتماعی امن کی بنیادیں

اسلام نے آج سے کئی صدیوں قبل ہی ان بنیادوں کی وضاحت کردی تھی جن پر امن عالم اور معاشرے کی آشتی کا دارومدار ہے، ملاحظہ کیجئے:

۱۔ مساوات یعنی اسلام نے اس حقیقت کی نشاندہی کی کہ تمام اقوام عالم اور انسانی گروہ اصولی طور پر مساوی حیثیت کے حامل ہیں اور ان میں عظمت و امتیاز اس فرد و قوم کو حاصل ہو سکتی ہے جو انفرادی اور اجتماعی سطح پر خدا پرستی اور انسان دوستی پر مبنی اچھے کردار کی حامل ہو اور اسی کو قرآن حکیم میں "تقویٰ" کا جامع عنوان عطا کیا گیا ہے۔(۱) جبکہ جاہلیت کا غرور نسب کا افتخار اور گروہیت پرستی کا گھمنڈ اسلام کی نظر میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے اور اگر کوئی حیثیت ہے تو وہ منفی حوالے سے ہی ہے۔(۲) اس سلسلے میں ایک فاضل سیرت نگار رقم طراز ہیں۔

> اس دنیا میں حسن کے سوا ہر معیار عظمت، حسد، رقابت اور کشمکش کا موجب ہوتا ہے۔ دولت کو معیار بنایا جائے تو جسے جائز ذریعے سے حاصل نہ ہوگی وہ ہر ناجائز ذریعے سے حاصل کرے گا اور خلق خدا کے لیے لعنت بن جائے گا۔ فن حرب و سیاست میں کمال کو معیار بنایا جائے گا تو مختلف لوگ روئے زمین کو انسان کے خون سے رنگنے میں اپنی زندگیاں تمام کردیں گے اور دنیا ان کو صرف نفرین کا مستوجب ٹھہرائے گی لیکن حسن عمل میں رقابت یا حسد راہ ہی نہیں پاسکتے کیونکہ وہ منافی حسن عمل ہونگے، یوں تمام انسانوں کی انتہائی کوشش یہ ہوگی کہ حسن عمل کی فراوانی سے روئے زمین امن و سلامتی کا بہشت زار بن جائے"(۳)

۲۔ قیام امن کے لیے خالق کائنات کی جانب سے اس اساسی ضابطہ کا اعلان ہوا کہ دینی عقیدہ تسلیم کرانے کے معاملے میں کسی طرح کا جبر و تشدد روا نہیں، یہ حقیقت ہے کہ دین کو دل کے اعتقاد و یقین کے راستے سے ہی پائیدار وجود ملتا ہے جو دعوت و موعظت اور شعور کی بیداری سے پیدا ہوتا ہے، جبر و تشدد سے نہیں اور یہی راستہ رسول

اکرم ﷺ نے اختیار کیا جبکہ اس کے برعکس قریش مکہ ظلم و جور سے دین و اعتقاد کا فیصلہ کرنے کی راہ اپنائے ہوئے تھے۔

اسی بناء پر مدینہ منورہ کی مختلف آبادیوں کے درمیان طے پاجانے والے "میثاق مدینہ" میں ایک اصول یہ بھی تھا کہ غیر مسلم اپنے دین پر بدستور قائم رہیں گے، ان کے مال محفوظ رہیں گے، انہیں مسلمانوں کا دین قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، نہ ان سے ان کی دولت چھینی جائے گی(۴) اس طرح اسلام نے مختلف مذاہب پر مبنی پُرامن عادل معاشرے کے قیام کی داغ بیل ڈالی اور یہ واضح کردیا کہ منصفانہ امن کی راہ میں عقائد کا اختلاف آڑے نہیں آتا۔

۳۔ اسلام نے امن کے قیام کو پائیدار اور مستحکم بنانے کے لیے محض اپنی امن پسندی کی خواہش کا اظہار ہی نہیں کیا بلکہ اس کے لیے جو اساسی اصول متعین کئے ہیں انمیں سے ایک اہم ترین اصول "قیام عدل" ہے(۵) کہ دنیا میں شر و فساد کے پھیلاؤ اور بدامنی کے فروغ کا اگر تجزیہ کیا جائے تو اس کی تہہ میں معاشی، سیاسی، سماجی اور اخلاقی سطح پر عدل کش ضابطے اور انصاف دشمن رویے کارفرما ہوں گے، گویا قیام عدل درحقیقت قیام امن کا نقیب ہے۔

عدل کا مفہوم یہ ہے کہ کسی فرد یا گروہ کے ساتھ بدون افراط و تفریط معاملہ کرنا جس کا وہ واقعی مستحق ہے عدل و انصاف کی ترازو ایسی اور برابر ہونی چاہیئے کہ عمیق سے عمیق محبت اور شدید سے شدید عداوت اس کے دونوں پلڑوں میں سے کسی کو جھکا نہ سکے(۶)

۴۔ اسی طرح معاشرے میں قیام امن کی پائیداری اس اصول کی بھی رہین منت ہے کہ خیر و صلاح کے کاموں اور اجتماعی اخلاق حسنہ کے قیام میں تعاون کو فروغ اور شر و فساد کے کاموں اور ظلم و استحصال کے نظاموں میں تعاون سے گریز کے اصول کو اختیار کیا جائے۔(۷) اس سے امن پسند اجتماعی رویوں کو تقویت اور امن شکن جذبات کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ خیر و شر، امن و فساد اور عدل و ظلم ایک دوسرے کے مساوی

نہیں ہوسکتے کیونکہ دونوں کی تاثیر ایک دوسرے سے یکسر مختلف ہے۔ لہذا قیام امن، صلح و آشتی کے فروغ اور عدل کے غلبہ کا بہترین راستہ یہ ہے کہ برائی (تشدد) کا جواب برائی (تشدد) سے نہ دیا جائے، بلکہ ممکن حد تک تشدد کے مقابلہ میں بھلائی (صبر) سے پیش آیا جائے، اگر کوئی ناپسندیدہ برتاؤ کرے تو اس کے مقابلے میں وہ طرز عمل اختیار کیا جانا چاہیئے جو اس سے بہتر ہو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سخت سے سخت دشمن بھی نرم پڑجائیگا اور ایک وقت آئے گا جب وہ ایک گہرے اور گرم جوش دوست کی مانند برتاؤ کرنے لگے گا(۸) اس طرح معاشرے کے افراد باہم شیر و شکر ہوکر فساد و بدامنی کا سد باب کرسکیں گے۔

۶۔ اسلام نے امن کش اور دہشت گردی کی سرگرمیوں کے انسداد کے لئے مختلف قوانین بھی مقرر کئے ہیں چنانچہ فتنہ و فساد فی الارض اور تخریب کاری کو مکروہ ترین اور قابل نفرت فعل قرار دیا گیا اور اس کے مرتکب کے لیے سخت سزائیں تجویز کی گئیں، چوری کے لئے قطع ید (ہاتھ کاٹنے)(۹) رہزنی کے لیے قتل، سولی دینے، مخالف سمت سے ایک ہاتھ اور پاؤں کاٹنے اور جلاوطنی کی سزائیں متعین کی گئیں(۱۰)۔ اس کے علاوہ باہمی رنجش کے اسباب کی نشاندہی کرکے ان سے روکا گیا ہے مثلاً تمسخر و استہزاء، عیب جوئی، بدگمانی، جاسوسی اور غیبت وغیرہ کہ یہ اجتماعی بداخلاقیاں بر بدامنی اور فساد کے پس منظر میں ہوتے ہیں (۱۱)

اسلام کی ان تعلیمات کے اجمالی جائزے سے یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ اسلام میں معاشرتی امن کو کس قدر اہمیت حاصل ہے کہ اس کے تحفظ کے لیے متعدد اقدامات طے اور کئی بنیادی اصول متعین کئے گئے ہیں۔

قبل اس کے کہ قیام امن کے لیے کئے جانے والے ان عملی اقدامات کا ذکر کیا جائے جو رسول اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ میں اور آپ کے ذریعے روبہ عمل آئے، یہ جاننا ضروری ہے کہ بعثت نبوی کے زمانہ میں قبائلی عرب باہمی خانہ جنگیوں میں مصروف تھے، بکر و ثعلب کی چالیس سالہ جنگ کا قریب میں ہی خاتمہ ہوا تھا۔ کندہ اور حضر موت کے قبائلی کٹ کٹ کر فنا ہوچکے تھے، اوس و خزرج لڑلڑ کر اپنے ایک

ایک سردار کو کھو چکے تھے، پہاڑوں اور صحراؤں میں خود مختار جرائم پیشہ قبائل آباد تھے، تمام ملک قتل و غارتگری، سفاکی و خونریزی کے خطرات میں گھرا ہوا تھا، تمام قبائل نہ ختم ہونےوالے سلسلۂ جنگ کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے، انتقام وخون بہا کی پیاس سینکڑوں اور ہزاروں اشخاص کے قتل کے بعد بھی نہیں بجھتی تھی، حرم میں خاص طور پر بنو قیس اور قریش کے درمیان حرب فجار کا سلسلہ جاری تھا اور اس طرح تمام ملک معرکہ کارزار بنا ہوا تھا(۱۲) ان ہنگاموں کے وجوہ و اسباب عمومی نوعیت کے ہوتے تھے، مثلاً قرضے کی ادائیگی میں ٹال مٹول، کسی عورت سے چھیڑ چھاڑ، ذاتی لن ترانیاں، مخالف قبیلہ کے جواب پر خفگی و ناراضگی اور کبھی حرمت والے مہینوں کی تازہ حرمت شکنی کا انتقام وغیرہ(۱۳) یوں تو رسول اکرم ﷺ کی تمام زندگی عدل پر مبنی امن و آشتی کے فروغ میں بسر ہوئی تاہم ذیل میں ان عظیم اقدامات کا تذکرہ مقصود ہے جو آپ نے خاص طور پر اس لئے اٹھائے۔

حلف الفضول کی تجدید

چوتھی جنگ فجار میں کسی معمولی سی بات پر کافی خونریزی ہوئی، چنانچہ قریش اس پر افسردہ اور پشیمان ہوئے تو جنگ کے چند ہفتے بعد لڑائی میں شریک قریش سرداروں بالخصوص زبیر بن عبد المطلب (رسول اکرم ﷺ کے چچا اور بنو ہاشم کے سردار) اور قبیلہ تیم کے عبداللہ بن جدعان نے اہل شہر کو اس "حلف الفضول"(۱۴) کی تجدید کی دعوت دی جو قصی کے مکہ پر قبضہ سے قبل جرہمی دور میں طے پایا تھا، چنانچہ عبداللہ بن جدعان کے مکان پر ایک ضیافت میں قبیلہ تیم، بنی ہاشم، بنی المطلب، بنی زہرہ اور بنی حارث بن فہر کے معززین جمع ہوئے اور حلفیہ اقرار کیا کہ وہ مکہ شہر کی حدود میں کسی کو کسی پر ظلم نہیں کرنے دیں گے اور باہمی اتحاد کے ذریعے مظلوم کو ظالم سے اس کا حق دلائیں گے۔ گویا اس حقیقت کو تسلیم کیا گیا جبکہ مظلوم کی حق رسی سے ہی قیام امن کی راہ ہموار ہوتی ہے۔

حلف الفضول کی تجدید کی اس مجلس میں رسول اکرم ﷺ بھی شریک تھے جس

سے زمانہ ماقبل نبوت سے ہی سماجی عدل پر مبنی امن و آشتی اور مظلوموں کی دادرسی جیسے بنیادی اصولوں سے آپ کی ناقابل تنسیخ وابستگی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، اس سلسلے میں آپ کا اپنا ارشاد گرامی ہے کہ میں عبداللہ بن جدعان کے گھر میں حلف اٹھانے میں شریک تھا اور سرخ اونٹوں (عربوں کا اس وقت کا بیش قیمت متاع) کے ریوڑ کے عوض بھی اس شرکت کے اعزاز سے دستبردار ہونا نہیں چاہتا اور اگر زمانہ اسلام میں بھی مجھے کوئی اس کی دہائی دیکر پکارے تو میں اس کی مدد کے لیئے لپکوں گا۔ (کیونکہ اسلام اصول فطرت پر مبنی معاہدوں کا نہ صرف احترام کرتا ہے بلکہ ان کا نقیب بھی ہے) نہ صرف یہ بلکہ مورخین کے مطابق آپ زمانۂ اسلام (ماقبل ہجرت) میں بعض اوقات اس معاہدہ کی رو سے موثر عملی حصہ لیتے نظر آتے ہیں۔(۱۵)

مکہ مکرمہ میں عدم تشدد کی پابندی

رسول اکرم ﷺ نے بعثت کے بعد جب اپنی دعوت کا آغاز کیا تو یوں محسوس ہوتا تھا کہ کسی نے بھڑوں کے چھتے کو چھیڑ دیا ہو، آپ کی دعوت قبول کرنے والوں کو چٹائی میں لپیٹ کر ناک میں دھواں دینے اور مادر زاد ننگا گھر سے نکالدینے سے کے واقعات تو معمول کی بات سمجھے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ ان پر ظلم و ستم کا ہر حربہ آزمایا گیا، دہکتی آگ کو ننگی انسانی پشت کی چربی سے سرد کیا گیا، عین دوپہر کے وقت تپتی ہوئی زمین پر انہیں رگیدا گیا، کسی کو برچھی سے انتہائی وحشیانہ طریقے سے شہید کیا گیا، کسی کے ہاتھ پاؤں سرکش اونٹوں سے باندھ کر انہیں مخالف سمتوں میں دوڑا گیا کہ بدن ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا، آپ کے ماننے والے ہی نہیں، خود رسول اکرم ﷺ بھی جبر و تشدد کا نشانہ بنے، چنانچہ آپ کے راستے میں کانٹے بچھائے جانے اور گھر میں غلاظت پھینکے جانے کے واقعات تو روزمرہ کی بات تھی، اس کے علاوہ آپ کی گردن مبارکہ میں چادر ڈال کر اس سختی سے گلا گھونٹنے کی کوشش کی گئی کہ آنکھیں باہر کو نکلتی تھیں، آپ کی پشت مبارک کو عین سجدہ کی حالت میں اونٹ کی نجاست بھری اوجھری سے آلودہ کیا گیا، طائف کے شہر میں پتھروں کی اس قدر تسلسل سے بارش ہوئی کہ آپ

خون میں نہا گئے نیز آپ کو تین سال تک اپنے قبیلہ کے تمام افراد کے ساتھ خواہ انہوں نے دعوت دین قبول کی ہو یا نہ کی ہو۔ شعب ابی طالب میں محصور رکھ کر مکمل معاشی و سماجی بائیکاٹ کیا گیا(۱۶) گویا مکہ مکرمہ کے تیرہ سالہ عرصے میں قریش کی جانب سے رسول اکرم ﷺ اور آپ کی جماعت کے خلاف ظلم و تشدد اور جبر و ستم کا ہر جسمانی و نفسیاتی حربہ آزمایا گیا لیکن آپ نے اس موقع پر اپنے ساتھیوں کو جوابی تشدد سے روکے رکھا گو جبر مسلسل اور متواتر تشدد کا جواب دینا ہر لحاظ سے درست اور معقول تھا۔ لیکن اندیشہ اس امر کا تھا کہ اس طرح کے رد عمل سے معاشرہ خانہ جنگی کا شکار ہوجائے گا اور بدامنی کا ماحول تشکیل پاجائے گا اور اس کی آڑمیں غلبۂ حق کی جدوجہد کو سبوتاژ کردیا جائے گا۔ جو آپ کو کسی طرح گوارا نہ تھا، الغرض رسول خدا ﷺ اور آپ کے صحابہ نے جو کچھ کیا، اس کا ایک ایک فعل صبر و تحمل، راستی و دیانت، امن و آشتی اور عفوودر گذر کا اعلیٰ سے اعلیٰ تر نمونہ تھا۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے درست کہا کہ مظلومی میں صبر، مقابلے میں عزم معاملے میں راستبازی اور طاقت و اختیار میں درگزر تاریخ انسانیت کے وہ نوادر ہیں جو کسی ایک زندگی کے اندر اس طرح کبھی جمع نہیں ہوئے جیسے رسول اکرم ﷺ کی حیات مبارک میں یکجا ہوگئے(۱۷)

میثاق مدینہ

جب رسول اکرم ﷺ ہجرت کرکے مدینہ تشریف لائے تو مادی لحاظ سے نہ سہی لیکن انصار کے ایثار اور مہاجرین کے صبر جیسے بیش قیمت "اسلحہ" کے سبب آپ کو ایک بالادست حیثیت حاصل ہو گئی تھی لیکن اس کے باوجود آپ نے مدینہ منورہ کو امن و آشتی کا گہوارہ بنانے کی خاطر مدینہ کے غیر مسلموں کے ساتھ فریقین کے نقطہ نظر سے ایک آبرومندانہ معاہدہ کیا جو تاریخ میں میثاق مدینہ کے نام سے معروف ہے، اس معاہدے کی دستاویز کے مطالعہ سے نہ صرف آپ امن عالم کے حقیقی علمبردار کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں بلکہ درج ذیل مقاصد بھی آشکارا ہوتے ہیں:

(۱) ہر آبادی کو پرسکون زندگی بسر کرنے کے مواقع فراہم کئے جائیں تاکہ وہ یکسوئی اور دلجمعی کے ساتھ معاشی جدوجہد میں مصروف رہے اولاد کی بہتر سے بہتر تربیت کرے اور معاشرتی ذمہ داریوں کو احسن طریقے سے انجام دے۔

(۲) کسی فرد و گروہ کے عقائد و رسوم پر نامناسب پابندی عائد نہ کی جائے۔

(۳) فتنہ و فساد اور بد امنی کا مکمل سد باب کیا جائے۔

(۴) بیرونی حملوں اور یورشوں کی روک تھام کی جائے کہ اس سے نہ صرف داخلی امن برباد ہوتا ہے بلکہ لوگوں کے وسائل معاش، تربیت اولاد، تحفظ جان و مال اور معاشرتی فرائض کی ادائیگی کا ہر نظام درہم برہم ہوجاتا ہے۔ اور زندگی کی پوری فضا بے یقینی کے طوفانوں کی جولانگاہ بن جاتی ہے۔

الغرض اس دستاویز میں عدل اجتماعی، دینی رواداری اور معاشرے کے مشترکہ مفادات کے حصول کے لیے باہمی تعاون کے اصول پائے جاتے ہیں (۱۹)

عہد نبوی کی جنگیں

اسلام عالم انسانیت کے لیے امن و آشتی، محبت و اخوت اور فلاح و بہبود کا نقیب بن کر آیا اس میں جنگ آزمائی، خونریزی اور غارتگری کے لیے کیسے گنجائش ہوسکتی تھی لیکن اس کے باوجود قریش مکہ کے غرور و تکبر، جبر و تشدد اور جور و ظلم نے پرامن حق پرست انسانوں کا جینا دوبھر کردیا حالانکہ ان کی نیکوکاری، حق پرستی اور امن پسندی کسی کےلئے باعث تکلیف تو کجا، انسانی معاشرے کیلئے باعث سکون و راحت ہی تھی بالاخر آپ ﷺ نے مجبور ہو کر ایک جماعت کو حبشہ جانے کی اجازت دی، لیکن قریش مکہ نے ان کا وہاں بھی تعاقب ترک نہ کیا، بعد ازیں رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ قدیم آبائی گھر بار چھوڑ کر مدینہ منورہ ہجرت کر گئے لیکن قریش کی ایذاء رسانیوں کا سلسلہ دراز سے دراز تر ہوتا گیا، ایسے حالات میں حفاظت خود اختیاری اور عملی اقدام سے کوئی مفر نہ تھا۔ جو اس دنیا میں ہر پُرامن معاشرہ کا اولین فطری حق ہے اور اس پر عالمی امن کا انحصار بھی ہے، چنانچہ قرآن حکیم نے واضح کیا کہ اگر امن شکن گروہوں کی

سرگرمیوں کی روک تھام نہ کی جائے تو زمین فساد کی آماجگاہ بن جاتی ہے(۲۰)

صلح حدیبیہ (۲۱)

۶ھ میں حدیبیہ کے معاہدہ سے تو آپ کی امن پسندی کے چرچے عرب سے باہر بھی پہنچ گئے، اس معاہدہ کا پس منظر یہ تھا کہ آپ چودہ سو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ہمراہ مکہ مکرمہ میں عمرہ کے لیے داخل ہونا چاہتے تھے۔ لڑنے کا چونکہ کوئی ارادہ نہ تھا اس لیے مروجہ دستور کے مطابق تلواریں نیاموں میں تھیں اور پھر آپ نے اپنی امن پسندی کے ثبوت کے طور پر مضافات مدینہ کے دیہی باشندوں کو بھی اپنے ساتھ زیارت بیت اللہ کے لیئے چلنے کا پیغام دیا حالانکہ وہ غیر مسلم تھے چنانچہ مسلمان اپنے ساتھ ستر اونٹ قربانی کے لیئے لیکر چلے اور ان پر مقرزہ علامات بھی لگادیں تاکہ لوگ جان لیں کہ یہ صرف بیت اللہ کے ارادے سے عازم سفر ہیں اور ساتھ ہی "تلبیہ" کے کلمات بھی ادا کیئے جارہے تھے۔ جب آپ مکہ سے دو منزلوں کے فاصلے پر تھے، آپ کو یہ خبریں ملنے لگیں کہ قریش کو نہ صرف آپ کی آمد کا علم ہوچکا ہے بلکہ دو سو افراد پر مشتمل ایک دستہ آپ کا راستہ روکنے کے لیے مستعد اور تیار ہے۔ مزید برآں اگر مسلمان مکہ میں داخلے پر اصرار کریں گے تو قریش پورے لاؤ لشکر کے ساتھ مقابلے پر اتر آئیں گے اور ساتھ ہی عربوں میں یہ پروپیگنڈہ کیا جائے گا کہ یہ لوگ حج کی عبادت میں خلل ڈالنے اور حرمت والے مہینوں میں لڑائی کے ارادے سے آئے ہیں۔

چنانچہ آپ نے اپنے دین امن کے تقاضوں کے پیش نظر قریش کی منصوبہ بندی بھانپتے ہوئے ان راستوں سے ہٹ کر آگے بڑھنے کا فیصلہ کیا جن پر قریش نے نگرانی قائم کررکھی تھی، یہاں تک کہ مکہ سے تقریباً تیس کلومیٹر کے فاصلے پر حدیبیہ مقام پر آپ کی اونٹنی "قصواء" بیٹھ گئی اور اس نے اٹھنے سے انکار کردیا۔ بعض افراد نے اسے اونٹنی کی ہٹ دھرمی سمجھا لیکن آپ نے اسے منشا خداوندی قرار دیا اور ساتھ ہی واضح کردیا کہ آپ قریش کی جانب سے پیش کردہ قیام امن کی ہر پیش کش کو تسلیم کریں گے، بشرطیکہ اس میں اللہ کی حرمات کی عظمت اور صلہ رحمی کے تقاضے مجروح نہ ہوتے

ہوں، پھر آپ نے صحابہ سے وہیں خیمے نصب کروائے اور حکم خداوندی کے انتظار کے لیے ارشاد فرمایا۔

صلح کی بات چیت سے قبل آپ کی امن پسندی کے شواہد

(۱) اس دوران قریش کے بعض افراد آنکھ بچا کر لشکر اسلام میں داخل ہوگئے تاکہ وہ نماز کے اوقات میں مسلمانوں کو غافل پا کر ان پر وار کرسکیں لیکن وہ لشکر کی حفاظت پر مامور عملہ کے ہاتھوں گرفتار ہوکر آپ کی خدمت میں لائے گئے، آپ نے ان کے اس جرم کو معاف کرکے رہا کردیا کیونکہ آپ کسی بھی طور پر اپنے مقاصد امن و آشتی کو کسی ردعمل سے ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتے تھے۔

(۲) بعد ازیں بدیل بن ورقاء خزاعی، قریش کے ایلچی کے طور پر آپ سے گفتگو کے لیے آیا، واپس جا کر اس نے آپ کی امن پسندی اور جنگ سے بیزاری کے جذبات کا اعتراف کیا اور قریش کو اس بات پر آمادہ کرنا چاہا کہ وہ آپ کو مکہ میں داخل ہونے دیں لیکن قریش نے اس پر آپ سے ساز باز کرنے کا الزام لگایا جس پر وہ ناراض ہوکر قریش سے علیحدہ ہوگیا۔

(۳) پھر عروہ بن مسعود ثقفی نے قریش کے نمائندہ کی حیثیت سے آپ سے بات چیت کی اور آپ کے ساتھ صحابہ کے والہانہ تعلق کا متاثر کن مشاہدہ کیا، واپس جا کر اس نے بھی قریش کو آپ سے مصالحت کرنے کا خیر خواہانہ مشورہ دیا۔

(۴) عروہ کے بعد حلیس بن علقمہ قریش کی جانب سے گفتگو کے لیے آیا لیکن اسے دور سے ہی مسلمانوں کا لباس احرام دیکھ کر اہل ایمان کی صلح جوئی کا یقین ہوگیا چنانچہ بغیر گفتگو کے واپس چلا گیا اور جا کر اپنے خیالات سے آگاہ کیا۔ قریش کو اپنے ایلچیوں کے یکساں تاثرات سن کر اپنے اس فیصلے پر نظر ثانی کرنا پڑی کہ مسلمان کسی صورت میں مکہ میں داخل نہیں ہوسکتے، اب وہ صرف اس پر اصرار کرنے لگے کہ مسلمان اس سال مکہ میں نہ آئیں۔ بعد ازیں کچھ ایام تک قریش کی طرف سے ایلچیوں کی آمد موقوف رہی، چنانچہ آپ نے امن و صلح کے لیے پیش قدمی کے طور پر حضرت عثمان

رضی اللہ عنہ کو اپنے نمائندے کی حیثیت سے مکہ بھیجا۔ چند دن بعد حضرت عثمان کی شہادت کی افواہ پھیلنے پر آپ نے صحابہ سے بیعت رضوان لی کہ مسلمہ عالمی قانون کے مطابق سفیر کے قتل پر مجرموں سے بدلہ لیا جائے گا، بعد ازیں یہ خبر درست ثابت نہ ہوئی اور ساتھ ہی قریش نے اپنے معززین میں سے سہیل بن عمرو کو مصالحت کی بات چیت کے لیے بھیجا۔

بات چیت کے دوران اور صلح کے بعد آپ کی امن خواہی کے واقعات

(۱) آپ نے حالت جنگ کے خاتمہ اور پُرامن فضاء کے قیام کے لئے سہیل بن عمرو کی ایسی شرائط بھی تسلیم کرلیں جو بادی النظر میں مسلمانوں کی کمزوری ظاہر کرتی تھیں، مثلاً یہ کہ مسلمان اس سال واپس لوٹ جائیں اور یہ کہ قریش کا کوئی شخص اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر مدینہ آئے گا تو قریش کے مطالبہ پر اسے واپس کردیا جائے گا۔ اور اگر کوئی مسلمان قریش کے پاس چلا گیا تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا، ان شرائط سے مسلمانوں میں غم واندوہ کی لہر دوڑ گئی لیکن آپ صلح نامہ پر استقامت کے ساتھ ڈٹے رہے۔

(۲) حضرت علی کرم اللہ وجہہ صلحنامہ کی کتابت پر مامور تھے، انہوں نے آغاز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم تحریر کردی قریش کے نمائندہ نے اس پر اعتراض کیا اور عربوں کے دستور کے مطابق "باسمک اللھم" لکھنے پر زور دیا، آپ نے اجتماعی صلح و آشتی کی خاطر اس مطالبہ کو تسلیم کرلیا۔

(۳) بعد ازیں یہ عبارت تحریر کی گئی کہ "ان شرائط پر محمد رسول اللہ ﷺ نے سہیل بن عمرو سے مصالحت کی" اس پر سہیل نے کہا اگر ہم آپ کو رسول تسلیم کرتے تو نزاع ہی کیوں ہوتا، آپ نے اس حساس ترین مسئلہ پر بھی صلح کی بات چیت کو ناکام نہیں ہونے دیا چنانچہ فرمایا "بلاشبہ میں اللہ کا رسول ہوں لیکن یہاں لکھ دو محمد بن عبداللہ نے سہیل بن عمرو سے مصالحت کی" صلح کی بات چیت کے دوران ایک

اضطراب انگیز واقعہ پیش آگیا جس نے صحابہ کرام میں ایک گونہ اشتعال بھی پیدا کردیا۔ سہیل بن عمرو کے صاحب زادے ابوجندل مسلمان ہوچکے تھے، اور انہیں زنجیریں پہنا کر قید کردیا گیا وہ کسی طرح پا بہ زنجیر حدیبیہ پہنچ گئے، سہیل نے دیکھتے ہی مطالبہ کردیا کہ معاہدے کی شرط کے مطابق اسے واپس کیا جائے، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ابھی تو تحریر مکمل نہیں ہوئی۔ سہیل نے اس پر صلح کی بات چیت ختم کرنے کا عندیہ دیدیا، آپ نے کہا اسے میری خاطر اجازت دیدو۔ اس پر سہیل کا ساتھی مکرز بن حفظ تو تیار ہوگیا لیکن سہیل نے ہٹ دھرمی سے کام لیا۔ اس موقع پر ابوجندل نے مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے بتایا کہ وہ بہت تکلیفیں جھیل چکے ہیں کیا انہیں دشمن کے سپرد کردیا جائے گا۔ یہ بات مسلمانوں کے لئے انتہائی پریشانی اور اضطراب کا باعث بن گئی لیکن آپ کا ارشاد ہوا "ابوجندل! صبر کرو اللہ جلد ہی تم لوگوں کی آسانی کے لئے کوئی راستہ نکالدے گا" اور بالاخر ابوجندل واپس کردیئے گئے۔ گویا آپ نے اس انتہائی جذباتی ماحول میں بھی اپنی امن پسندی کو داغدار نہ ہونے دیا۔ اس سے آپ کی امن و مصالحت کے ساتھ وابستگی کی گہرائی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے اپنے ساتھی کی آزادی کی قربانی دیکر اجتماعی امن کے قیام کو یقینی بنایا۔

(۵) صلح کے کچھ عرصے بعد ابوبصیر نامی ایک صاحب مسلمان ہوکر مکہ سے مدینہ پہنچ گئے تو قریش نے ان کی واپسی کے لیے دو آدمی بھیج دیئے۔ اس پر رسول اکرم ﷺ نے ابوبصیر پر واضح کردیا کہ معاہدہ کی خلاف ورزی نہیں کی جاسکتی۔ لہذا واپس چلے جاؤ۔ انہوں نے کفار کے ہاتھوں اذیتوں کا ذکر کیا۔ لیکن آپ نے معاہدہ کی پاسداری پر زور دیا۔ چنانچہ آپ کے مصمم ارادے کی وجہ سے ابوبصیر کو واپس جانا پڑا (یہ الگ واقعہ ہے کہ راستہ میں ابوبصر نے ایک کو قتل کردیا، جب کہ دوسرا بھاگ کر مدینہ آگیا، ابوبصیر بھی مدینہ سے ہوتے ہوئے آزاد علاقے میں چلے گئے)

صلح ہوتے ہی عرب بھر میں بلکہ بیرون عرب بھی آپ کی امن پسندی اور صلح جوئی کا شہرہ پھیل گیا، چنانچہ اس کا نتیجہ تھا کہ جب دو سال بعد آپ مکہ میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے تو آپ کے ہمراہی دس ہزار تھے اور چار سال بعد حجۃ الوداع

کے موقع پر ایک لاکھ سے زائد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ کی معیت میں تھے۔ انہیں حقائق کے سبب انگریز مورخ آر وی سی باڈلے نے صلح حدیبیہ کو آپ کی سیاست و تدبر کا عظیم شاہکار قرار دیا ہے۔(۲۲)

الغرض رسول اکرم ﷺ کی قولی و عملی تعلیمات سے آپ کے داعی امن ہونے کی حیثیت نہایت واضح ہو کر سامنے آتی ہے۔ ایسے میں ایک تشدد پسند دین کے حوالے سے اسلام کی شناخت کرانے کا سرے سے کوئی جواز باقی ہی نہیں رہتا کیونکہ اسلام کی حقیقی پہچان رسول اکرم ﷺ کا اسوہ حسنہ ہے۔ لہذا اسلام کے حقیقی داعیوں کے لئے زیادہ ضروری ہے کہ وہ اپنے مزاج میں وسعت و رواداری، اپنے رویہ میں نرمی اور اپنے مخالفوں کے ساتھ پرامن بقائے باہمی کے جذبہ کو فروغ دینے کی سعی کریں تاکہ انسانی معاشرے امن کا گہوارہ بن کر امن عالم کی راہ ہموار کر سکیں۔

ختم شد

حوالہ جات

۱۔ القرآن، سورۃ الحجرات ۱۳۔

۲۔ الناجی، احمد، سیرۃ النبی العربی ج ۲ ص ۴۶۴، مطبع مصطفی الیاس الحلبی، مصر طبع اول ۱۳۹۸ھ (۱۹۷۸ء)

۳۔ مہر، غلام رسوم مولانا، رسول رحمت ص ۸۸۷، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، بار دوم ۱۹۸۱ء۔

۴۔ السباعی، مصطفی، ڈاکٹر، السیرۃ النبویہ دروس و عبر ص ۸۲، دار القرآن الکریم بیروت، طبع اول ۱۴۰۴ھ (۱۹۸۴ء)

۵۔ القرآن، سورۃ النساء ۱۳۵۔

۶۔ عثمانی، شبیر احمد، مولانا، فوائد موضح الفرقان عرف تفسیر عثمانی، بذیل آیت نمبر ۸ سورۃ المائدہ

۷۔ القرآن، سورۃ المائدہ ۲

۸۔ القرآن سورۃ فصلت ۳۴

۹۔ القرآن سورۃ المائدہ ۳۸

۱۰۔ القرآن سورۃ المائدہ ۳۳

۱۱۔ القرآن سورۃ الحجرات ۱۱، ۱۲۔

۱۲۔ شبلی نعمانی، علامہ، سیرت النبی ج ۲ ص ۲، نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد طبع چہارم ۱۹۸۵ء

۱۳۔ حمید اللہ، محمد، ڈاکٹر، رسول اکرم کی سیاسی زندگی ص ۵۷، دارالشاعت کراچی، عکس اشاعت ۱۹۸۰ء

۱۴۔ جرہمی دور میں تین افراد جن کے نام فضل تھے نے انجمن امداد مظلومین قائم کی تھی، اس میں شامل رضاکار متحدہ طور پر اپنے شہر میں ظالموں کا ہاتھ روکتے اور مظلوموں کو ان کا حق دلاتے تھے (رسول اکرم کی سیاسی زندگی ص ۶۰)

۱۵- حمید اللہ، محمد، ڈاکٹر، رسول اکرم کی سیاسی زندگی، ص ۵۹، ۶۰-
۱۶- الناجی، احمد، سیرۃ النبی العربی ج ۱، ص ۱۶۰ اور اس کے بعد-
۱۷- مہر، غلام رسول، مولانا، رسول رحمت ص ۱۳۷-
۱۸- ایضا ص ۲۴۴-
۱۹- السباعی، مصطفی، ڈاکٹر، السیرۃ النبویہ ص ۸۱-
۲۰- القرآن، سورۃ البقرہ ۲۵۱-
۲۱- ابن القیم الجوزی، محمد بن بکر، زاد المعاد فی ہدی خیر العباد ج ۲ ص ۱۲۲ تا ۱۲۶، دار الکتاب العربی، بیروت، ایضا الناجی، احمد، سیرۃ النبی العربی ج ۱ ص ۶۸۶ تا ۷۰۲-
۲۲- باڈلے، آر وی سی، محمد رسول اللہ (ترجمہ سید محمد امین زیدی) ص ۳۹۶، مکتبہ عالیہ لاہور ۱۹۷۸ء-

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن کی دستیاب مطبوعات

- اجتماعی مسائل کا ولی اللہی حل — (جناب محمد مقبول عالم مرحوم)
- جدوجہد اور نوجوان — (شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ)
- فرد اور اجتماعیت — (مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ)
- عبادت و خلافت — (مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ)
- مولانا محمد الیاس دہلوی کا تصور دین — (مفتی سعید الرحمان)
- غلبہ دین اور عبادات — (چوہدری افضل حق مرحوم)
- ثنائے خداوندی — (چوہدری افضل حق مرحوم)
- صدائے فکر و عمل — (چوہدری افضل حق مرحوم)
- ارکان اسلام — (چوہدری افضل حق مرحوم)
- اخلاق و معاشیات کا باہمی ربط — (مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ)
- لرزہ خیز انتقام کی داستان — (مولانا محمد میاںؒ)
- وقت کی قدر و قیمت — (مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ)
- اجتماعی زوال کے اسباب — (مولانا محمد تقی امینیؒ)
- ولی اللہی نظام فکر — (مفتی عبدالخالق آزاد)
- تاریخ اسلام — (مولانا عبیداللہ سندھیؒ)
- انسان اور انقلابی عوامل — (مولانا محمد تقی امینیؒ)
- جدوجہد آزادی کا تنہا ادارہ — (مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ)